© rasailojaraid.com

برصغیر میں اسلامی مدارس اور معاشرہ پر اُن کا اثر

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ

دینی مدارس آج کل پاکستان کے تجدد زدہ حلقوں کا خاص نشانہ ہیں۔ مقالات، خطبات اور اداریوں کے ذریعہ مدارس عربیہ کی ضرورت و اہمیت گھٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ حضرت افغانی مدظلہٗ کے اس مضمون سے مدارس عربیہ کے دور رس اثرات اور ضرورت پر روشنی پڑے گی۔ (ادارہ)

برصغیر ہند و پاکستان میں انگریزی اقتدار سے قبل مسلمانوں میں دینی تعلیم کے لئے درس گاہیں موجود تھیں جو اکثر عام مسلمانوں کی امداد سے چل رہی تھیں اور جن کو جاری رکھنا مسلمانانِ برصغیر ملی حیات اور بقائے دین کیلئے ضروری سمجھ رہے تھے اور جن سے ایک طرف برصغیر میں بقائے اسلام اور حفاظتِ دین کا سامان فراہم ہو رہا تھا اور دوسری طرف ان میں ملی خودی کے شعور کو فروغ ہو رہا تھا۔ ان ہی دینی درس گاہوں کا نتیجہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ کرنے سے قبل اور بعد دینی تعلیم کے مسلمانوں میں پیدا کردہ شعورِ حریت اور احساسِ خودی سے تقریباً ڈیڑھ سو سال تک لڑنا پڑا۔ دینی تعلیم کا یہ پیدا کردہ شعور ایک تو محدود تھا اور عالمگیر نہ تھا صرف مسلمانانِ ہند کے مخصوص طبقہ میں یہ شعور موجود تھا۔ باقی امراء و آسودہ حال طبقہ ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کے سوا ملی مقصد و اجتماعی عظمت کے تصور سے ناآشنا تھا۔ اس کے ساتھ یہ مخصوص طبقہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، یکجا منظم اور متحد نہ تھا اس کے علاوہ مسلمانوں میں ایسے غدار موجود تھے جو ہر وقت ملی مقصد اور قومی عظمت کو ذاتی مفاد پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سراج الدولہ کی ۱۷۵۷ء کی جنگ اور سلطان ٹیپو شہید کی ۱۷۹۹ء کی جنگ کامیاب نہ ہو سکی۔ اگر تمام مسلمان ملی جذبہ کی محبت سے سرشار ہوتے تو جنگ کے متعلق تاریخ کا فیصلہ دوسرا ہوتا۔ ۱۸۵۷ء کا ناکمل انقلاب اور بالاکوٹ کا معرکہ بھی انہی کمزوریوں کی وجہ سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔ یہ تمام واقعات انگریزوں کے سامنے تھے۔ بلکہ دوسری طرف اسی مذہبی جوش اور ملی جذبہ نے افغانستان کے فاتح انگریز کو ۱۸۴۲ء میں شکست فاش دے کر فوج کی تباہی کے بعد افغانستان سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ یہ کارروائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکبر خان فرزند دوست محمد خان کے ہاتھوں عمل میں آئی، ان سب حالات کو دیکھ کر انگریز نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ابھی ابھی ایک عظیم الشان سلطنت نکل چکی ہے۔ اور اگر اسلامی روح ان میں اسی طرح باقی رہی برطانوی سلطنت کا استحکام ناممکن ہے۔ اور ہر وقت خطرہ رہے گا کہ مسلمانوں کو ان کا دینی جذبہ کسی بھی وقت ہمارے ہاتھوں سے سلطنت چھیننے پر ابھار دے۔ لہٰذا انہوں نے اسلامی تعلیم اور اس کے سرچشموں کا ختم کرنا طے کر لیا اور لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں ایک تعلیمی مسودہ پیش کیا کہ فارسی زبان کی تعلیم کی جگہ انگریزی تعلیم دی جائے اور نصاب تعلیم ایسا ہو کہ ہمیں حکومت چلانے کے لئے ارزاں سے ارزاں ملازم مل سکیں اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ ظاہری صورت میں ہندوستانی ہوں لیکن ذہن و فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔ اس لئے نصاب ایسا رکھا گیا جو مذہبی اسپرٹ سے خالی تھا اور مندرجہ بالا مقاصد کو پورا کرتا تھا۔ مثلاً یہ تو سکھایا کہ گھڑی سے وقت کس طرح پہچانیں، موٹر کس طرح چلائیں انگریزی میں مضمون کس طرح لکھیں۔ لیکن یہ نہیں سکھایا کہ مٹی سے لوہا کس طرح نکالیں، اس کو کس طرح صاف کریں اور پھر اس سے ریل کی پٹریاں اور انجن کس طرح بنائیں اور پھر کس طرح جوڑیں۔ گویا انگریزی تعلیم سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ دینی جذبہ سرد ہو اور ان کے دلوں میں انگریزوں کی محبت کا بیج بویا جائے۔ ملی مقصد سے محبت بتدریج کم ہو جائے۔ بنیادی عقائد کی زندگی پر گرفت ڈھیلی ہو جائے۔ ایسے ملازم تیار ہوں کہ کم سے کم تنخواہ پر ہم ان سے کام لے سکیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کوشش کی گئی کہ آپس میں متفق نہ ہوں، بلکہ آپس میں لڑتے رہیں، تاکہ کسی وقت وہ متحد اور طاقتور نہ بن سکیں۔ سر جان میلکم نے لکھا ہے کہ

> "ہماری حکومت کی حفاظت اس پر منحصر ہے کہ جو بڑی جماعتیں ہیں ان کو تقسیم کر کے ہر جماعت کو مختلف طبقوں اور فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تاکہ وہ جدا رہیں اور ہماری حکومت کو متزلزل نہ کر سکیں[2]۔"

قدیم تعلیم کا زوال انگریزوں کی اس حکمت عملی سے چند نتائج نکلے۔

۱۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم روبہ زوال ہوتی۔ حالانکہ انگریزوں کے اقتدار سے قبل برصغیر میں کافی اسلامی درسگاہیں موجود تھیں۔ تعلیمی ہند کے بیان کے مطابق صرف متحدہ بنگال میں مسلمانوں کی اسی ہزار دینی درسگاہیں موجود تھیں۔ مضافات دہلی میں سات ہزار دینی مدارس تھے۔ خود دہلی میں حسب بیان "صبح گلشن" [illegible] ایک ہزار عربی مدارس موجود تھے۔ جن میں ایک مدرسہ شافعیوں کا اور باقی حنفیوں کے تھے۔

---

[1] نقش حیات ص ۳۰۹ [2] ہندوستان میں عیسائی اقتدار کا عروج۔ ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی سیاح ڈاکٹر ہملٹن سن ۱۶۹۰ء میں ٹھٹہ میں آیا وہ اپنے سفرنامہ بعہد اورنگ زیب" میں لکھتا ہے کہ:

"یہاں مذہب اور فلسفہ کا خوب چرچا ہے اور یہاں چار سو دارالعلوم ہیں۔"

ٹارنس کے حوالے سے تاریخ "انقلاباتِ عالم" (ج ۲ ص ۳۲۴) میں درج ہے کہ،

"اسلام کی حکومت میں مذہبی تنفر کا نام نہیں، حالانکہ یورپ میں ایسا ہے۔"

دنیوی خوشحالی کے متعلق میجر باسو" لکھتا ہے۔

"دولت، اطمینان، امن وسکون کا جو نظارہ حدیث جہاں میں ہندوستان میں تھا کل دنیا میں اسکی مثال ونظیر نہیں۔"

انگریزی تعلیم کے نفاذ سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جدید تعلیم کی وجہ سے علمائے اسلام کے لئے ملازمت کے دروازے بند ہوگئے اور ان کی معاشی فارغ البالی کا خاتمہ ہوا۔ انگریزی تعلیم سے قبل محکمۂ تعلیم تقریباً علماء کے ہاتھ میں تھا۔ اور بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بھی ان کا ہی قبضہ تھا، لیکن تعلیمی سانچے کے بدل جانے سے یہ سب کچھ جاتا رہا۔ اس کے بعد وقف ہگلی اور دیگر اسلامی اوقاف پر بھی انگریزوں نے قبضہ کر کے علمائے اسلام کے ذرائع تعلیم اسلام پہ کاری ضرب لگائی، علماء کی جو کچھ تعداد باقی تھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کے الزام کے بہانے اس کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی گئی "قیصر التواریخ" کے حوالہ کے مطابق اس الزام میں سات ہزار علماء کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اب دینی تعلیم چلانے کے لئے بقیۃ السیف علماء کے لئے صرف مسلمانوں کی مالی امداد کا سہارا باقی رہ گیا تھا۔ دینی تعلیم اور علماء سے مسلمانوں کی جو عقیدت تھی اسکی بدولت یہ سہارا ایک حد تک قائم رہا تھا۔ لیکن انگریزی حکومت کی شیرینی نے علماء کے خلاف وہ سب کچھ کیا جو علمائے اسلام کی وقعت کو مسلمانوں کے قلوب میں کم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ انگریزی حکمتِ عملی نے علماء میں پھوٹ ڈال کر لڑانے کی بھی کوشش کی تاکہ امتِ اسلامیہ میں ان کا وقار مجروح ہو کر وہ اس قابل نہ رہیں کہ دین کی کوئی مؤثر خدمت کر سکیں اور ان کے پاس جو کچھ علمی قوت ہے وہ باہمی مناقشات میں صرف ہو کر ضائع ہو جائے۔ لیکن ان سب تدابیر کے باوجود انگریزی حکمتِ عملی اسلامی تعلیم اور ان کے سرچشموں کو ختم کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی اور برصغیر ہند و پاکستان کے مظلوم و مفلوک الحال علماء نے تہیہ کر لیا کہ زوالِ حکومت کے باوجود ہمیں بہرحال اسلام کو باقی رکھنا ہے اور اسلامی تعلیم کے سرچشموں کو نہ صرف باقی رکھنا ہے۔ بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن کے ایک ایک اثر اور ملی خصوصیات کی ایک ایک نشانی کو اپنی جان سے عزیز سمجھ کر پورے عالم اسلام [illegible] علمائے ربانیین کے دل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے اسلامی تعلیمات کو برصغیر میں زندہ رکھنے کا یہ عزم راسخ ڈالا تاکہ مسلمانان برصغیر میں ملی روح کو باقی رکھنے کا سامان ہو۔ ان کو یقین تھا کہ صرف انگریزی تعلیم سے ملت اسلامیہ کی حیات کا سامان مہیا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قوم کی زندگی کے لئے سب سے پہلی چیز وحدت مقصد کا وجود ہے۔ اگر یہ متحدہ مقصد موجود نہ ہو تو وہ قوم نہیں بلکہ حیوانوں کا جھنڈ اور جانوروں کا گلہ ہے۔ قومی اور ملی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے ہر فرد کو زندگی کے اس مشترک مقصد کی عظمت پر ایسا یقین ہو اور وہ اسکی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ اسکی دھن میں اس کا مرنا جینا، اٹھنا، بیٹھنا، پھرنا سب کچھ ہو اور ہر فرد کو یہ مقصد اتنا عزیز ہو کہ جب کبھی اس کے سامنے اس کا ذاتی مفاد اور شخصی مقاصد اس مشترک مقصد حیات سے متصادم ہوں تو وہ اپنے تمام ذاتی مقاصد و شخصی فوائد کو یہاں تک کہ خود اپنے وجود کو بھی اس پر قربان کردے۔ اسی مقصد مشترک سے جو ذہنی وحدت قوم کے افراد میں پیدا ہوتی ہے، مذہبی اصطلاح میں اس کا نام ایمان ہے۔ اسی سے ذاتی اغراض کے خس و خاشاک کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسی سے عزم و استقلال، بہادری، موت سے بے خوفی، اور قربانی اور کردار کی پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ روح ہے جسکی آواز قوم کے قافلہ کو منزل پر پہنچاتی ہے۔ اور یہی قوت ایمان تعلیمات اسلامی کی زمین سے اگتی اور پائیدگی حاصل کرتی ہے اور یہی قوت قوموں کے عروج و زوال میں حد فاصل ہے۔ خواہ یہ مشترک مقصد فطری ہو جیسے ایمان یا مصنوعی ہو جیسے مغربی اقوام کی قومیت لیکن جب ایسی دو قوموں کا مقابلہ ہو کہ ایک فطری وحدت ذہنی یعنی ایمان کی قوت سے رنگی ہوئی ہو۔ اور دوسری مصنوعی وحدت، وحدت قومی سے تو پہلی قوم فاتح اور دوسری مفتوح ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایک قوم میں قومی وحدت ہو اور دوسری میں نہ ایمانی وحدت ہو نہ قومی تو پہلی قوم فتح پاتی ہے۔ اسلام کے فرزندوں نے اپنی اس ایمانی مقصد مشترک کی قوت سے رومی، ایرانی، ترکی، ہندی قوموں کو باوجود ظاہری بے سرو سامانی کے شکست فاش دی۔ لیکن جب ایمانی مقصد مشترک مسلمانوں میں نہیں رہا تو ہلاکو کی غیر تعلیم یافتہ قوم سے انہوں نے شکست کھائی اور ہندوستان میں مٹھی بھر انگریزوں نے ان کو شکست دے کر ایک عظیم سلطنت ان سے چھین لی۔ اس مقصد مشترک اور ایمانی وحدت ذہنی کے ضعف کی وجہ سے عربوں کو "سسلی" میں نارمنوں "اندلس" میں اسپینیوں نے اور عراق و خراسان میں تاتاریوں نے شکست دی۔ جو فیصدی تعلیم میں ان نارمنوں، اسپینیوں اور تاتاریوں سے کم نہ تھے۔ قوم کے عروج و زوال میں فیصدی انگریزی خوانی کا عنصر فیصلہ کن نہیں، بلکہ اس سے زیادہ ایمان کی ناقابل تسخیر قوت فیصلہ کن ہے۔ فتح و شکست کا زیادہ تر فیصلہ [illegible] محاذ کی قوت سے ہوتا چلا آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی راز ہے کہ مسلمانوں نے اسی توثیق کی تعمیر و بقاء کو اپنی موت و حیات کا مسئلہ سمجھا اور اسی قوت ایمانی کے فروغ اور بقاء کے لئے اسلامی علوم کی تحصیل و نشر و اشاعت میں مال و جان کی حیرت انگیز قربانیاں پیش کیں جن کی نظیر تمام اقوام عالم میں نہیں مل سکتی۔

تعلیم اسلامی کے عشق میں اہل اسلام کا مالی ایثار ۱۔ امام بخاریؒ کے والد بہت بڑے سرمایہ دار تھے۔ امام بخاریؒ نے وہ سارا مال طلب حدیث میں صرف کر ڈالا[1]۔

۲۔ یحییٰ ابن معین نے علم الحدیث کی تحصیل میں اپنا کل سرمایہ دس ہزار روپیہ صرف کر ڈالا۔ یہاں تک کہ جوتی خریدنے کی رقم تک نہ رہی اور ننگے پیر چلتے تھے[2]۔

۳۔ عبداللہ بن المبارک نے تحصیل علم دین میں اپنی پوری پونجی یعنی چالیس ہزار درہم صرف کر ڈالا[3]۔

۴۔ محمد بن علی بن عاصم واسطی نے تحصیل علم دین میں ایک لاکھ کی رقم صرف کی جو ان کے والد نے ان کو دی تھی[4]۔

۵۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے تحصیل علم دین میں ڈیڑھ لاکھ کی رقم صرف کی[5]۔

۶۔ ابن رستم نے تحصیل علوم اسلامیہ میں تین لاکھ کی رقم صرف کی[6]۔

۷۔ ہشام بن عبیداللہ نے علم الحدیث کے سفر میں سات لاکھ روپیہ صرف کئے[7]۔

۸۔ خطیب بغدادی نے تحصیل علوم اسلامیہ میں دو کروڑ پونڈ صرف کئے[8]۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ روپیہ روپیہ تھا۔ شوق علوم دینیہ میں مسلمانوں کی ذاتی، مالی قربانی کا یہ حال تھا جس کے متعلق ہم نے بطور مشت نمونہ از خروار چند حوالے پیش کئے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کو اپنے دور عروج میں دینی علوم کی عظمت اور اہمیت کا کس قدر احساس تھا۔

شوق علوم اسلامیہ میں جانی قربانیاں ۱۔ امام بخاریؒ نے اپنی بیوہ ماں کے زیر سایہ ترکستان، عرب، عراق، خراسان، ایران کے ایک ایک شیخ کی درس گاہ کو طلب حدیث کے لئے چھان ڈالا۔

۲۔ محمد بن مغرب اموی اندلسی نے یورپ، ایشیا، افریقہ، تینوں براعظم طلب علم کے لئے قطع کئے۔ اسپین کا قرطبہ، افریقہ کا مصر، ایشیا کے شہر دمشق، صنعا دین ان کے تعلیمی مقامات تھے۔

---

[1] ضحی الاسلام ج ۲ ص ۱۱۲ [2] تہذیب الاسماء ص ۶۴۳ [3] معجم الادباء ج ۱ ص ۱۱
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۹ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۱۲ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۷
[7] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵ [8] معجم الادباء ج ۱ ص ۲۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ بن ابی حبیب اندلسی وزارت کے خانوادے سے تھے۔ اسپین میں علم سے فارغ ہو کر طلب علم دین کے لئے اسکندریہ و مصر آئے پھر عراق میں داخل ہوئے اور بغداد میں مقیم رہے۔ پھر خراسان کی راہ لی اور نیشاپور اور بلخ میں قیام کیا۔ پیدا اسپین کی خاک میں ہوئے، اور [illegible]ھ کو افغانستان کے شہر ہرات میں دفن ہوئے۔

۴۔ ابو علی قالی عراق کے شہر دیار بکر میں پیدا ہوئے۔ طلب علم میں موصل اور بغداد سے چل کر اسپین میں دم لیا۔ ۳۵۶ھ میں قرطبہ میں وفات پائی۔

۵۔ حماسہ کے مشہور شارح تبریزی نے کتابوں کا پشتارہ پیٹھ پر باندھا۔ اور ابوالعلاء المعری کی خدمت میں شام پہنچے، پسینے سے کتابوں کی یہ حالت تھی، کہ ان کا ایک ایک ورق دوسرے سے چپک گیا تھا۔ یہ مشت نمونہ از خروارے اس زمانے میں مسلمانوں کے عشق علم دین کا حال ہے کہ جس میں موجودہ مواصلات کا نام و نشان نہ تھا اور اکثر مسافت پیدل طے کرنی پڑتی تھی۔ علمائے اسلام کا عشق علم دین اس درجہ کا تھا کہ مالی تنگدستی بھی اس راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

علم اور تنگدستی | ابو سلیمان المنطقی جن کے متعلق علماء کا فیصلہ ہے :۔ " ہو فوق الفارابی وابن سینا وابن رشد و ابوحیان صاحب تفسیر بحر المحیط کے استاد ہیں ـــــ ابوحیان ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کو ایک عدد روٹی کی خرید کی طاقت نہ تھی۔ مکان کے کرایہ اور صبح و شام کے کھانے پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔

ابو علی قالی نے اپنی جان سے عزیز قلمی کتاب جو اس کی تصنیف ہے یعنی "کتاب الامالی" و "کتاب الجمہرۃ" بچوں کی قوت لایموت کے لئے شریف مرتضیٰ کو فروخت کی تو یہ شعر کہے ؎

وماکان ظنی اننی سأبیعها ولو خلدتنی فی السجون دیونی
ولکن لضعف وافتقار وصبیة صغار علیهم تستهل جفونی

ابن جبار موصلی جو علوم اسلامیہ خصوصاً علوم عربیہ کا امام ہے، تنگدستی کا اظہار ان اشعار میں کرتا ہے ؎

ولوکان ما بی بالجبال لهدها وبالنار اطفاها وبالماء لم یجر
وبالناس لم یحیوا وبالدهر لم یکن وبالشمس لم تطلع وبالنجم لم یسر

ترجمہ:۔ جو تنگی مجھ پر ہے اگر وہ پہاڑوں پر ہوتی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ اگر یہ سختی آگ پر پڑتی تو بجھ جاتی اور پانی پر پڑتی تو اس کا بہہ جانا بند ہو جاتا۔ لوگوں پر پڑتی تو مرتے، آفتاب پر پڑتی تو نکلنا چھوڑ دیتا اور ستاروں پر پڑتی تو ان کی گردش ختم ہو جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ زمخشریؒ مصنف "تفسیر الکشاف" و دیگر متعدد کتب فرماتے ہیں ؎

غنی من الآداب لکننی اذا نظرت فما فوق الکف غیر الانامل

فما کل امرءٍ امثالہ عند الحجی وھات نظیری من جمیع المحافل

ترجمہ :- میں آداب بجالانے سے بے پرواہ ہوں۔ لیکن جب ہاتھ کو دیکھتا ہوں تو اس میں انگلیوں کے سوا کچھ نہیں، ہر آدمی کی مثال و نظیر بے شمار ہیں۔ لیکن کیا تم تمام مجالس میں میری نظیر پیش کر سکتے ہو۔

یہ تو ماضی بعید کی باتیں ہیں۔ ماضی قریب میں سید محمد مبارک محدث بلگرامی استاد میر طفیل محمد بلگرامی وضو کے لئے اٹھے اور اچانک گر پڑے۔ میر طفیل محمد نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ فرمایا کہ تین دن سے کھانا میسر نہیں آیا اور کسی کو ظاہر بھی نہیں کیا۔ میر محمد طفیل کہتے ہیں، میں گھر گیا اور طعام حاضر کیا، دعا دی اور فرمایا کہ یہ کھانا اگرچہ فقہاء کے ہاں جائز ہے کہ تین دن کے بعد مردار کھانا بھی درست ہے۔ لیکن فقراء کے لئے طمع کا کھانا جائز نہیں۔ میر طفیل طعام اٹھا کر گھر روانہ ہوئے اور غائب ہو کر واپس آئے کہ اب تو طمع کی صورت نہیں رہی، اس پر تناول فرمایا۔[1]

مسلمانوں کی یہ جانی مالی قربانیاں دینی علوم کی حفاظت کے لئے اس لئے عمل میں لائی جاتی تھی کہ علوم رضائے الٰہی اور حیات ابدی کا سامان ہیں، اس کے علاوہ ملت اسلامیہ کی تشکیل وحدت فکری و عملی اس کے بغیر ناممکن ہے۔ اور عقیدہ و عمل کی یک رنگی اور ذہنی متحدہ محاذ کا واحد ذریعہ مسلمانوں کے لئے علوم اسلامیہ کا فروغ ہے ؎

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

بلکہ ملت اسلامیہ کی دینی تنظیم عالمی امن اور بالخصوص ایشیا کے تحفظ کے لئے بھی بے حد ضروری ہے ؎

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

آج دنیا والوں میں فکری وحدت اور ذہنی متحدہ محاذ اور نظریات و حیات کی بنیاد پر وحدت کی جدوجہد جاری ہے۔ اور اس کے لئے تمام ذرائع کو کام میں لایا جارہا ہے۔ جو قوم نظریات و حیات کی اس تگ و دو میں دوسری قوم کے نصب العین سے جس قدر متاثر ہو جاتی ہے۔ اسی حد تک وہ کمزور ہو جاتی ہے، اور ذہنی طور پر اس قوم کی غلام بن جاتی ہے جس نے اس پر اثر ڈالا ہے۔ اور اس ذہنی غلامی کا آخری نتیجہ سیاسی غلامی ہوتی ہے۔ تعلیمی نصب العین قومی افکار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور یہی نصب العین

---

[1] مسلمانوں کی تعلیم و تربیت ج۔ ۱ ص ۱۰ نقل از مآثر الکرام مولانا غلام علی آزاد بلگرامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی شعبہائے حیات کے لئے ایک کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیمی مقصد ایک خاص ذہن بناتا ہے، جو قوم کے تمام شعبہائے زندگی میں کارفرما اور مؤثر ہوتا ہے، خواہ پارلیمنٹ ہو، فوج ہو، تجارت ہو، امور خارجہ ہوں۔ معاشرہ ہو، اخلاق ہوں سب اسی تعلیمی محور کے گرد گھومتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ فاتح قوم سب سے پہلے مفتوح قوم کا نصاب تبدیل کرتی ہے تاکہ مفتوح قوم کی ذہنیت کو اپنے مقصد کے مطابق تیار کرے۔ اسلام کا یہ ایک معجزہ ہے کہ اسلامی تعلیم جو قوم کے لئے ایک روح حیات ہے۔ اس کے فروغ میں حکومت اسلامی سے زیادہ حصہ عام مسلمانوں اور علماء نے لیا اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات آج تک صدہا انقلابات کے باوجود اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔ اس کے برخلاف مسیحیت اپنے ابتدائی دور میں تحریف و تبدیلی کا شکار ہوئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت نے بہت جلد ایک جدید صنمیت کی شکل اختیار کی اس کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ ایک یہ کہ اسلامی حکومتوں نے اگرچہ اسلامی علوم کی ترقی میں اپنا پورا فرض ادا نہ کیا۔ لیکن اس کے ساتھ انہوں نے دینی مدارس اور منبر و محراب کی آزادی میں کوئی مداخلت بھی نہیں کی بلکہ بعض صورتوں میں اعانت کی اور خود علماء کے درس میں شریک ہوتے رہے اور علوم دینیہ اور اہل علم کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

۱۔ علاؤ الدین طوسی جب ترکی پہنچے تو سلطان محمد خاں نے مدرسہ عربیہ بروسہ میں تین ہزار روپے ماہوار پر اس کو مدرس رکھا اور قسطنطنیہ کے قریب ایک گاؤں بھی ہبہ کر عطا کیا جو قریۃ المدارس کے نام سے وہاں مشہور تھا۔ سلطان مذکور جب مدرسہ میں درس سننے کے لئے جاتے تھے تو علاؤ الدین طوسی کو دس ہزار اور ہر طالب علم کو پانچ سو روپے علاوہ خلعت کے دیتے تھے۔[1]

۲۔ علامہ شمس الدین کورانی جب ترکی پہنچے تو سلطان محمد خاں بادشاہ روم نے ساڑھے چھ ہزار ماہوار پر اس کو مدرس رکھا۔

۳۔ محمد تغلق بادشاہ دہلی نے علامہ عبدالعزیز اردبیلی شاگرد ابن تیمیہ سے صرف ایک حدیث سنی وہ اس قدر خوش ہوئے کہ اس کے قدم چوم لئے اور سونے کی سینی کو دو ہزار اشرفی سے پر کر کے ان کو بطور خلعت دیا۔[2]

۴۔ بادشاہ دہلی فیروز تغلق نے علوم دینیہ پڑھانے والوں کے لئے چھتیس لاکھ روپے سالانہ مقرر کئے تھے۔[3]

---

[1] شقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ ج۔ ا ص ۱۰۵ [2] نزہۃ الخواطر ص ۹۹

[3] نزہۃ الخواطر ص ۱۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ بادشاہ ہند ابراہیم شاہ جب مولانا شہاب الدین دولت آبادی کی بیمار پرسی کیلئے آئے تو بادشاہ نے پانی کا پیالہ بھر کے ان کے سر کے گرد گھما کر پی لیا اور کہا اے خدا جو بلا بھی ان کی راہ میں ہو وہ میرے لئے مقدر کر دے اور ان کو شفا دے۔ چنانچہ مولانا تندرست ہوئے اور بادشاہ فوت ہو گیا۔ لہ

۶۔ شیر شاہ سوری طالبعلمی کی درسگاہ میں آکر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کرتا تھا۔ ۲ه

۷۔ علوم دینیہ کے مشہور سیالکوٹی مدرس اور مصنف مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو شاہجہان نے دو مرتبہ چاندی میں تلوا کر وہ چاندی انہیں کو دیدی ہر مرتبہ چھ ہزار روپے وزن آیا۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ میں مولانا کا انتقال ہوا۔ ان کو ایک لاکھ ماہانہ سلطان سے ملتا تھا۔ ۳ه

تحفظ دین کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ علمائے دین نے دین کی تحریف کو برداشت نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ جان پر کھیل کر کلمۂ حق کہا۔

۱۔ امام مالک نے جعفر بن سلیمان گورنر مدینہ کے ہاتھوں سو دروں اور کندھوں سے ہاتھوں کے اکھڑنے کی سزا برداشت کی لیکن ایک مسئلہ پر کہ مکرہ پر طلاق نہیں قائم رہے۔

۲۔ امام احمدؒ نے ۲۸ ماہ جیل کی اور ۳۹ دروں کی سزا برداشت کی لیکن ایک غلط مسئلہ کا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اقرار نہیں کیا۔

۳۔ مولانا عماد غوری کو محمد تغلق نے بلایا اور پوچھا "فیض خدا منقطع نیست پس چرا باید کہ فیض نبوت منقطع شد" شیخ محدث دہلوی نے لکھا کہ "مولانا عماد فورا گفت کہ بحز چہ میگوئی تغلق حکم داد کہ او را ذبح کنند و زبانش ببرند۔" ۴ه

بہرحال مولانا عماد کو ذبح کرا کر محمد تغلق نے ان کی زبان کٹوا ڈالی۔ لیکن انہوں نے حفاظت دین کا فرض بہرحال انجام دیا۔ اسلام کی تاریخ علمائے حق کے اس قسم کے واقعات سے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پر صدہا مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے، بے شمار طوفان اٹھے۔ ہر قسم کے انقلابات آئے لیکن علمائے حق کی حق گوئی کی بدولت دین اسلام کی حقیقت جوں کی توں قائم رہی اور ہر تحریف ان کی حق گوئی کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتی گئی۔

<u>ہنگامہ ۱۸۵۷ء</u> | اس ہنگامہ میں اسلامی روح و مقصد مشترک کے فقدان اور اپنوں کی غداری کی

لہ تاریخ فرشتہ ۲ه اخبار الاخیار ذکر شیخ حسین طاہر ص ۱۹۵

۳ه تذکرۂ علمائے ہند رحمان علی ص ۲۸۱ ۴ه اخبار الاخیار ص ۲۰۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے علماء اور عوام کی ساری قربانیاں رائیگاں گئیں اور انگریز اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے عجب عالم اسباب میں اسلامی حکومت کو واپس لانے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو زوال حکومت کے بعد زوال اسلام کا خطرہ علمائے حق کو دامن گیر ہوا ان کو خداداد فراست کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب دینی تعلیم کا نظام درہم برہم ہو گا اور اس کی جگہ ایسا نظام تعلیم لایا جائے گا کہ دین سے اب تک جس قدر تعلق ہے، اور قلب و افکار میں جتنا کچھ اسلامی رنگ موجود ہے۔ اس کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور مسلمانوں کو ایسی معاشی غربت میں مبتلا کیا جائے گا کہ ان کی حریت اور جذبہ دینی خود بخود ختم ہو جائے گا اور وہ حکومت کرنے کا خیال چھوڑ کر آقایان جدید کی خوشنودی کو سب سے بڑی کامیابی سمجھنے لگیں گے۔ یہ خطرہ خیالی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا۔ مسلمانوں کا ایک بڑا ذریعہ معاش بحیثیت حکمران قوم ہونے کے ان کی بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ انگریزوں نے قدیم زمینداریوں کو ان کے اصل مالکوں کے قبضہ سے نکال کر بنیوں کو دینا شروع کر دیں جن سے خود انگریزوں کا بڑا مفاد وابستہ تھا۔ بڑے بڑے علاقے ان بنیوں کے نام ٹھیکے پر دے جاتے تھے۔ لیکن اصل ٹھیکیدار کوئی با اختیار انگریز ہوتا تھا۔ مسٹر برک اس امر کی الفاظ ذیل میں شہادت دیتے ہیں:

"ان بنیوں نے بڑے بڑے گھرانے الٹ دئے۔ زمیندار گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بھاگنے سے قبل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ اوقاف نیلام ہو رہے ہیں جو انہوں نے یا ان کے بزرگوں نے خدا کی راہ میں اس لئے رکھے تھے۔ کہ ان کی آمدنی سے بیواؤں، یتیموں، ننگے بھوکوں اور اپاہجوں کی امداد کی جائے گی اور وہ جائدادیں بھی جو انہوں نے کفن دفن اور مرتے وقت کی رسموں کے لئے علیحدہ کر رکھی تھی فروخت کر دی گئی، افسوس کہ جاں کنی کے وقت سکون و اطمینان سے گزر جانے کا سہارا بھی اس ظالم ہاتھوں نے قطع کر دیا۔ اف! کیسا ظالم زمانہ تھا جس کا ظلم چتا کی آگ سے زیادہ جلنے والا اور قبر سے زیادہ حریص اور موت سے زیادہ بے رحم تھا۔"[1]

یہ مسٹر برک لارڈ ہیسٹنگز پر مقدمہ میں کمپنی کی طرف سے وکیل تھا۔ یہ ظلم مسلمان زمینداروں تک محدود نہ تھا بلکہ مسلمان کاشتکاروں پر بھی حاوی تھا۔ انگریز اس ٹھیکے کو تجارت سمجھ کر روپیہ کماتے تھے اور بنیوں کو حکومت نے کھلی چھٹی دے رکھی تھی جو چاہو کرو۔ میجر باسو اپنی کتاب انگریزی حکومت کا استحکام

---

[1] مقدمہ ہیسٹنگز ج ۱ ص ۱۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لکھتے ہیں :

"یہ تجارت ظلم کی ایک مشین ثابت ہوئی جس سے مجبوراً وہ بدقسمت کاشتکار تباہ ہونے لگے ان پر ان کے انگریز آقا طرح طرح کی مہذب بربریت کا استعمال کرتے تھے اور اس سے محظوظ ہوتے تھے۔"[1]

دوسری طرف ہمارے نظام تعلیم کو ختم کرنے کی منظم کوشش کی گئی۔ ایکس سمیڈ نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے :

"جب کسی ملک یا قوم کو غلام بنایا جاتا ہے تو فاتح سب سے پہلے یہ کام کرتا ہے کہ اس کی تعلیم کو تباہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ علم اور غلامی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔"[2]

ظاہر ہے کہ انگریزوں کے قبضے کے وقت جو نظام تعلیم رائج تھا۔ وہ صدیوں سے مسلمانوں کا نظام تعلیم تھا۔ وہی حکمران اور اس ملک کے مالک تھے۔ مسٹر انفنسٹن اور الیف وارڈن نے اپنی تعلیمی یادداشت میں صاف اقرار کیا کہ :

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دئے۔ ہماری فتوحات ایسی ہیں کہ اس سے قوم کا علم سلب ہو جاتا ہے۔ اور علم کے پچھلے ذخیرے نیست و نابود ہو رہے ہیں۔"

لارڈ میکالے نے جدید نظام تعلیم کا جو مسودہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو پیش کیا تھا۔ اس میں اصل مقصد کو صاف واضح کیا کہ :

"تعلیم یافتہ ہندوستانی ذوق طبع رائے، اخلاق، خیالات میں بالکل انگریزوں کے رنگ میں رنگے جائیں۔ اسطرح ہندوستان و انگلستان کا تعلق ہمیشہ کے واسطے مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے گا۔"[3]

میکالے نے انگریزی نظام تعلیم کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے :

"تعلیم اس عنوان سے دی جاتی ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ نہ تو کوئی بڑا کام انجام دے سکتے ہیں نہ کسی فن میں کمال حاصل کر سکتے ہیں بلکہ غلامانہ ذہنیت ان لوگوں کے دماغوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ فارغ ہونے کے بعد حکومت میں یا کوئی دوسری نوکری کرتے ہیں۔ اور اس غلامی کو معراج سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی قیمتی زندگی کو ختم کر دیتے ہیں۔"

اس سیاسی اور معاشی اور تعلیمی بربادیوں کے علاوہ انگریزوں نے پادریوں کی بڑی بڑی جماعتیں بھیجیں تاکہ ان

---

[1] ص ۵۸ بحوالہ الرق فی الاسلام ج ۱۔ ص ۲۵۴ [2] الرق فی الاسلام ج ۱۔ ص ۲۲۵
[3] تعلیمی ہند ص ۲۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصائب میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو مسیحیت کی بہار دکھا کر مسیحی بنایا جائے۔ یہ وہ اسباب تھے کہ جن کی بناء پر علماء حق کو خداوند تعالیٰ نے حفاظت دین کے لئے کھڑا کر دیا اور انہوں نے بے سروسامانی کی حالت میں دینی درسگاہوں کو تمام ہندوستان میں قائم کرنے کا عزم کیا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں قیصر التواریخ کے حوالے کے مطابق سات ہزار علماء شہید کئے گئے یا جزائر انڈمان میں قید کئے گئے۔ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی جو شاہ عبدالقادرؒ کے شاگرد اور دہلی کے صدر الصدور تھے۔ انڈمان بھیجے گئے اور وہیں فوت ہوئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے حاجی صاحبؒ حجاز مقدس پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور وہیں فوت ہوئے مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی قید ہوکر پھر رہا ہوئے اور مولانا محمد قاسمؒ گرفتاری سے بچ گئے۔ اور پھر عام معافی کی وجہ سے بری ہوئے ان بقیۃ السیف حضرات نے خصوصاً مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں ایک دارالعلوم کی تاسیس کا قصد کیا جس میں اللہ نے وہ برکت رکھی کہ اس ادارہ کی اسلامی خدمت کی نظیر کل عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے دس سال بعد ۱۸۶۷ء میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔ جن مقدس ہاتھوں نے یہ بنیاد رکھی اس نے دارالعلوم دیوبند کی تاسیس غیبی اشارات کے تحت کی تھی۔

۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو جب جہانگیر نے دہلی طلب کیا تو دیوبند سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ اس جگہ سے مجھے علم نبوت کی بو آتی ہے۔ جس کو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجدد صاحب کے غیر مطبوعہ مکتوبات میں خود دیکھا ہے۔

۲۔ حضرت مولانا رفیع الدینؒ خلیفہ شاہ عبدالغنی نے خواب دیکھا کہ علم کی کنجیاں میرے ہاتھ میں دی گئیں۔ یہ خواب دیکھ کر مولانا اس وقت متعجب ہوئے لیکن جب دارالعلوم دیوبند کے اول مہتمم وہی ہوئے تو اس خواب کی تعبیر سمجھ گئے۔

۳۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے خواب دیکھا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے پیروں کے نیچے سے نہریں نکل کر تمام عالم میں پھیل رہی ہیں۔ کوائف دارالعلوم محرم، صفر ۱۳۷۰ھ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا علم تقویٰ اخلاص کا اعتراف مخالفین تک نے کیا۔ مولانا موصوف اور سرسید احمد خان دونوں مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ لیکن بعد میں دینی مسائل میں دونوں میں اختلاف ہوا اور وہ اختلاف "مکاتیب بنام سرسید" کی صورت میں چھپا بھی ہے۔ لیکن باوجود اس مخالفت کے جب مولانا وفات پاگئے تو سرسید نے ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء کو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں مولانا کی تعزیت ان الفاظ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جو مقالات سر سید حصہ ہفتم میں بھی درج ہے:

"افسوس ہے کہ جناب ممدوح مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رو یا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا لیکن ایسے شخص کے لئے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آئے نہایت رنج و غم و افسوس کا باعث ہے۔ زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت، عالی دماغی، فہم و فراست میں معروف و مشہور تھے ویسے نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل و کمال تھے۔ ان کو جناب مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت راغب کر دیا تھا۔ اور حاجی امداد اللہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو نہایت عالی مرتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسروں کو بھی پابند شریعت و سنت کرنے میں زائد از کوشش کرتے تھے۔ باایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا۔ مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے۔ مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے۔ ہم مولانا مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو خواہ کسی سے خوشی کا ہو کسی طرح بر بنائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر تھے بلا شبہ للہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لئے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی خدا کے واسطے تھا۔ کسی کو مولانا موصوف اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حب اللہ و بغض اللہ ان کے برتاؤ میں تھا۔ ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلا شبہ نہایت محبت کے لائق ہیں۔"[1]

برکات دار العلوم دیوبند دار العلوم دیوبند کی مقبولیت عند اللہ اور بابرکت ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے مالیات دار العلوم کے لئے جو اصول قائم کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی اس سے کوئی امداد قبول نہ کی جائے۔

۲۔ جمیع امراء کا چندہ۔ جینے سے تام و نمود مقصود ہو ان سے چندہ قبول نہ کیا جائے کہ برکت غرباء کے

---

[1] مقالات سر سید حصہ ہفتم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چندہ میں زیادہ ہے۔ کہ ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہوتا ہے۔

۳۔ دارالعلوم کے لئے مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا نہ کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے خوف ورجاء اور اعتماد علی اللہ کے جذبہ میں کمی آجاتی ہے۔ جو دارالعلوم کی ترقی کا اصل سرمایہ ہے۔

یہ تمام اصول اور وصایا حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اب تک موجود ہیں۔ اور ان پر عمل ہے۔ اس کے باوجود بادشاہوں کے بنائے ہوئے مدارس اجڑ گئے۔ اور آج ان کا نام ونشان باقی نہیں۔ اور درویشوں کا یہ ادارہ باوجود گوناگوں انقلابات کے ایک سو سال سے اب تک قائم ہے اور ہر شعبہ میں ترقی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارہ کو جو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ وہ اسلامی تاریخ میں کسی دارالعلوم یا مدرسہ دینیہ کو حاصل نہیں ہوتی۔ روئداد مدرسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ہر ملک کے طلباء فیض علمی حاصل کرنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں۔ جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں احقر تدریس کی خدمت انجام دیتا تھا تو ایک طالب علم کاشغر (چین) کا جو دارالعلوم میں پڑھتا تھا میرے پاس خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کاشغر میں کیسے پتہ لگا کہ دارالعلوم دیوبند بھی کوئی دینی درسگاہ ہے۔ اس نے عجیب واقعہ سنایا کہ کاشغر کا ایک تاجر دہلی آیا تھا جب کاشغر واپس پہنچا تو لوگوں کو دہلی کا حال سنانے لگا۔ مقامی لوگوں نے اس سے پوچھا کہ دہلی کہاں ہے۔ اس نے کہا کہ دیوبند کے قریب ہے۔ جب جا کر ان کو علم ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو دہلی کی پہچان دیوبند کے نام سے ہوتی ہے۔ بہرحال ہر زمانہ میں ہندوستان کے علاوہ وہاں عرب، چین، روس، افغانستان، ایران، جاوا، سماٹرا، وغیرہ ممالک کے طلبہ کافی تعداد میں موجود رہتے ہیں۔ یہ سب کشش من جانب اللہ ہے۔ نشرواشاعت وپروپیگنڈے کا کوئی ذریعہ وہاں نہ موجود ہے اور نہ اس کو پسند کیا جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے اس کی شاخوں کا ایک جال تمام برصغیر میں ہزاروں کی تعداد میں پھیل گیا۔ جن سے علم دین کی مشعلیں روشن ہوئیں اور انگریزی غلامی کے باوجود بقائے اسلام کا سامان بن گیا۔ ان مدارس نے ایک طرف علوم دین کی تدریس اور تصنیفی خدمت کی دوسری طرف اسلام پر اہل باطل نے جسقدر حملے کئے ان سب کا منہ توڑ جواب دیا گیا اور مسلمانوں میں تبلیغ کر کے ان کے ایمان کو پختہ کیا اور غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو اسلام میں لانے کی کامیاب کوشش کی جن میں سے صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں یورپ کا سب سے بڑا پادری آیا جس کا نام فنڈر تھا اور جس کو اپنے اسلامی علوم کی مہارت، فلسفہ دانی اور قوت مناظرہ پر ناز تھا۔ اور تمام علمائے اسلام کو مناظرے کا چیلنج دیا۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد رشید مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اس چیلنج کو قبول کیا اور حکومت انگریزی کی نگرانی میں شہر آگرہ میں وہ مشہور تاریخی مناظرہ ہوا جس میں بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بشمول انگریز بھی شریک تھے اور ہزاروں ہندوستان شریک مناظرہ تھے۔ موضوع مناظرہ توراۃ اور انجیل کی تحریف تھی۔ یہ مناظرہ کئی دن جاری رہا، جس میں پادری فنڈر کو شکست فاش ہوئی اور جس میں سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں محرف ہو چکی ہیں۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو وہ مشکوک مان رہا ہے، اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ مناظرہ اردو، فارسی، عربی میں چھپ چکا ہے۔ عربی کا نام "اظہار الحق" ہے۔ پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور اتفاق کی بات ہے کہ فنڈر ہندوستان سے رسوا و ذلیل ہو کر قسطنطنیہ پہنچا وہاں بھی علمائے استنبول کو چیلنج دینا شروع کیا سلطان عبد المجید خاں مرحوم کا وقت تھا۔ خلیفہ تک خبر پہنچی اور یہ اطلاع بھی اس کو پہنچی کہ قسطنطنیہ کے علماء میں سے کوئی اس پادری سے مقابلہ کے لئے تیار نہیں۔ سلطان نے فوراً گورنر حجاز کو لکھا کہ:

> اگر حجاز میں کوئی عالم عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کی مشق رکھتا ہو تو اسے بھیج دیا جائے۔ حرم کے شیخ اس زمانے میں "زینی دحلان" محدث تھے۔ گورنر مکہ نے سلطان کے اس حکم سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے درس حدیث کے حلقہ میں اس کا ذکر کیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی اس درس میں بیٹھا کرتے تھے۔ آگے بڑھ کر انہوں نے عرض کیا کہ اس فن سے بندہ بخوبی واقف ہے۔ مولانا رحمت اللہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ قسطنطنیہ میں بھی فنڈری نے فتنہ برپا کیا ہے۔ مولانا کو قسطنطنیہ روانہ کیا گیا۔ جب پہنچے تو فنڈر کو خبر ملی کہ وہی آگرہ والا ہندی مولوی یہاں بھی سر پر مسلط ہو گیا ہے۔ بغیر کسی اطلاع کے وہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ سلطان کو اس اثر کا جب علم ہوا تو اس کے دل میں مولانا کی عظمت بڑھ گئی اور بڑی قدر دانی کی۔¹

خود مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بانی آریہ سماج پنڈت دیانند کو مباحثہ اٹھ کی میں اور انگریز پادریوں کو مباحثہ شاہجہان پور میں جو دونوں چھپ گئے ہیں، ایسی شکست فاش دی کہ پھر نہ کسی پادری اور نہ ہی کسی پنڈت کو یہ ہمت ہوئی کہ وہ علمائے اسلام کو مناظرہ کا چیلنج دے سکے۔ مولانا موصوف نے علماء ہندوستان میں صداقت اسلامی کو آفتاب کی مانند چمکایا۔ حسب روئداد ۱۳۰۲ھ سال گزشتہ میں دارالعلوم دیوبند کے طلباء کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے اور آمدنی نو لاکھ تینتالیس ہزار تین سو چونسٹھ روپے اور چودہ پیسے ہے۔

| پاکستان میں مدارس عربیہ کا قیام | قیام پاکستان کے بعد یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ علماء نے

---

¹ تعلیم و تربیت گیلانی ج ۱۔ ص ۲۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے بے سروسامانی اور گوناگوں مصائب اور ناموافق حالات میں بقائے اسلام کے لئے پاکستان کے دونوں حصوں میں عربی مدارس قائم کر کے دین کی مشعلیں روشن کیں صرف مغربی پاکستان میں حافظ نذر احمد مصنف "جائزہ مدارس عربیہ" نے ایسے بڑے مدارس عربیہ کو جن کی ڈاک کے پتے ان کو معلوم تھے، ۲۳ مئی ۱۹۵۹ء یعنی تقریباً آج سے آٹھ سال پہلے جو خطوط روانہ کئے ان کی تعداد ۵۹۶ یعنی قریباً چھ سو تھی بعد کے آٹھ سالوں میں جدید مدارس عربیہ میں جو اضافہ ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ تعداد تمام مدارس کی نہیں بلکہ مشہور اور بڑے مدارس کی ہے۔ اور وہ بھی صرف مغربی پاکستان کے مدارس کی ہے۔ مشرقی پاکستان کی نہیں۔ اہل مشرقی پاکستان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور دینی ذوق بھی نسبتاً زیادہ ہے۔ اس لئے وہاں کے مدارس عربیہ کی تعداد بہرحال مغربی پاکستان کے مدارس عربیہ سے زیادہ ہے۔ جائزہ مدارس عربیہ کے اندراج کے مطابق مغربی پاکستان کے مشہور عربی مدارس کی تعداد ضلعوار حسب ذیل ہے:-

ضلع	تعداد	ضلع	تعداد	ضلع	تعداد	ضلع	تعداد
کشمیر	۹	رحیم یار خان	۳۴	بنوں	۱۴	سرگودھا	۲۹
بہاولپور	۸	سانگھڑ	۲	بہاولنگر	۸	سکھر	۲۴
پشاور	۲۸	ریاست سوات	۲	تھرپارکر سندھ	۱۰	سیالکوٹ	۱۲
ٹھٹھہ	۴	شیخوپورہ	۱۱	جہلم	۸	قلات	۹
جھنگ	۱۴	کوئٹہ ڈویژن	۷	جیکب آباد	۲۰	کوہاٹ	۱۱
حیدرآباد	۹	کیمبل پور	۲۰	دادو	۱۱	گجرات	۱۵
ڈیرہ اسماعیل خان	۱۴	گوجرانوالہ	۲۰	ڈیرہ غازی خان	۹	لاڑکانہ	۸
راولپنڈی	۱۵	لائل پور	۳۰	لاہور	۲۳	میانوالی	۱۷
مردان	۲۳	نواب شاہ	۹	مظفرگڑھ	۲۶	وزیرستان اور گلگت	۸
ملتان	۴۰	ضلع ہزارہ	۸	منٹگمری	۴۳	کراچی	۹
						مدارس انجمن اشاعت قرآن کریم	۳۴

ان میں سے صرف سات مدارس کا سالانہ خرچ ۱۹۵۹ء میں آٹھ لاکھ اور اب تقریباً سوا لاکھ ہے

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم | بغداد میں ۴۵۹ھ مطابق ۱۰۶۶ء مدرسہ نظامیہ کا قیام ہوا جس میں چھ ہزار طلباء کی رہائش کا انتظام کیا گیا اور جن میں امراء و غرباء دونوں طبقوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔ ہندوستان میں سکندر لودھی کے زمانے میں شیخ عزیز اللہ اور شیخ عبداللہ اور بعد ازاں علامہ تفتازانی اور سید السند کے شاگردوں نے اس میں قابل قدر اضافے کئے یہ ترمیم شدہ نصاب نظامیہ بغداد کے نصاب کے بعد دوسرا نصاب تھا۔ یہ دونوں شیخ طلنبہ ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد جب دور اکبری میں میر فتح اللہ شیرازی ایران سے آئے جو بالواسطہ محقق دوانی کے شاگردوں میں سے تھے۔ اس کی آمد پر نصاب تعلیم میں اور انقلاب آیا اور علوم عقلیہ کا پلہ علوم نقلیہ پر پہلے کی نسبت بھی بھاری ہو گیا۔ ملا نظام الدین فرزند مولانا قطب الدین سہالی جو چار واسطوں سے میر فتح اللہ شیرازی کے شاگرد تھے، انہوں نے جدید نصاب مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے مشہور ہے۔ اور اب تک مدارس عربیہ ہند و پاکستان افغانستان و ترکستان میں مروج ہے۔ یہ نصاب تعلیم کی چوتھی ترمیم تھی۔ لیکن ان سب ترمیمات کے باوجود نصاب مدارس عربیہ میں یہ امر بدستور قائم رہا کہ دینی مدارس کا نصاب دینی اور دنیوی علوم کا جامع تھا۔ نظامیہ بغداد سے جگہ دور ہارون سے اب تک اس وقت کے دنیوی علوم ہمارے نصاب تعلیم کے اسی طرح جزو رہے جس طرح دینی علوم اس کے اجزاء رہے۔ علم طب ہیئت، ہندسہ، حساب، منطق، فلسفہ، داخل نصاب تھے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو خالص دینی کتابوں کی تعداد کم اور دنیوی علوم کی کتابوں کی تعداد زیادہ تھی، چنانچہ اب تک درس نظامی میں کل تقریباً بیس علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ جن میں سات علوم کے سوا باقی سب دنیوی علوم ہیں اس درمیان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دینی اور دنیوی کتب میں موازنہ قائم کرنے کی کوشش کی اور عقلی علوم سے متعلق کتب میں کمی کر دی لیکن درس نظامی کی عام مقبولیت نے اس ترمیم کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ جہاں تک درس نظامی کے دینی کتب کی افادیت کا تعلق ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس نصاب نے ہر دور میں اپنے علوم کے جواہر یں پیدا کئے کہ عالم اسلام میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو اس نصاب کے فاضل ہیں، اور ان کی ایک تصنیف جو آپ نے فلسفہ شریعت پر لکھی ہے۔ جس کا نام "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ کل علماء اسلام کی تصنیفات میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ علمائے مصر تک نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ لیکن اس نصاب کے دنیوی علوم کا جو حصہ ہے وہ یونانی علوم سے متعلق ہے یونانی فلسفہ کا اکثر حصہ دور جدید کے فلسفہ کے بالمقابل یا غلط یا غیر ضروری ٹھہرا ہے۔ دینی علوم ناقابل تبدیل ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا سرچشمہ ذات رب العالمین ہے۔ لیکن دنیوی علوم کا سرچشمہ فکر انسانی ہے۔ جس کے تجربات اور تحقیقات بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے قدیم فلسفہ کی جگہ ہمارے نصاب میں جدید فلسفہ کا داخل کرنا زیادہ موزوں ہے۔ لیکن مغربی فلسفہ کو یونانی فلسفہ کی طرح اسلامی رنگ دے کر داخل کرنا چاہئے، تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی روح اس کے فاسد اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ اس لئے جدید ضروری علوم بجائے انگریزی زبان میں پڑھانے کے عربی یا اردو میں منتقل کر کے پڑھائے جائیں۔ اور وہ بقدر ضرورت ہوں تاکہ وسعت نظری پیدا ہو جائے۔ مثلاً سائنس کے اہم اصول و مبادیات داخل نصاب ہوں۔ تجربات اور تفصیلی مطالعہ ہر طالب علم کے لئے ضروری نہ ہو۔ اسی طرح ریاضی، معلومات عامہ، شہریت، جغرافیہ، حفظان صحت اور علم التاریخ اسی شکل میں داخل ہو کہ واقعات مہمہ کے علل و اسباب کا تسلسل اور ربط ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن ان سب علوم کو جزو نصاب بنانے کے لئے تدوین جدید کی ضرورت ہو گی۔ تاکہ اسلامی روح سے اس کا تصادم ختم ہو جائے۔ مثلاً سائنس میں وہی مسائل و قوانین اس شکل میں بیان کئے جائیں کہ مادہ چونکہ زندگی، علم اور حکمت سے خالی ہے۔ لہٰذا قدرت الٰہی کی حکمت نے بتوسط مادہ ان آثار و نتائج کے لئے یہ قوانین و ضوابط بنائے ہیں جن سے وہ نتائج پیدا ہوتے۔ ایسا کرنے سے ہر مادی قانون الٰہی قانون شکل اختیار کرے گا۔ اور جس قدر ان قوانین کا علم بذریعہ سائنس بڑھتا جائے گا۔ خالق کائنات کی عظمت دلوں میں جاگزین اور راسخ ہوتی جائے گی۔

جامعہ اسلامیہ بہاولپور جامعہ اسلامیہ نے علوم دین و دنیا کے جامع نصاب کی طرف قدم بڑھایا ہے جس سے امید ہے کہ قدیم و جدید کا جھگڑا ختم ہو گا۔ اور سابق دور کی طرح وحدت نصاب کی وجہ سے ایک طرف ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی علوم میں بلند مہارت رکھتے ہوں گے اور دوسری طرف وہ دنیوی علوم سے بھی بقدر ضرورت واقف ہوں گے۔ لیکن دنیوی علوم کا حصہ یہاں اب تک انگریزی میں ہے۔ اور طلباء کا اسی اجنبی زبان کے سیکھنے میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ کہ دینی علوم کی مہارت کے لئے کم فرصت ملتی ہے۔ اگر میری تجویز کے مطابق جدید علوم کا ضروری حصہ اردو یا عربی زبان میں ہو تو وقت کم صرف ہو گا۔ اور مہارت زیادہ پیدا ہو گی۔ عربی زبان میں مصر میں اور اردو میں خود پاکستان میں علوم جدیدہ ضروریہ کی کتابیں موجود ہیں جن کی تکمیل سے نصاب میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر جامعہ اسلامیہ کی یہ کوشش کامیاب ہوئی تو انگریزوں کی دین و دنیا کی تفریق کی لائی ہوئی لعنت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور انگریزی حکومت سے قبل کی طرح نصاب تعلیم کی وحدت سے نصاب کا خاتمہ ہو کر تمام تعلیم یافتہ طبقے ایک ہی ملی اور فکری تنظیم کے تحت منظم ہو سکیں گے۔ اور قدیم جدید ملا و مسٹر کی تمام لڑائیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن ایسے جامع نصاب کی تدوین کے لئے دیندار قسم کے ماہرین تعلیم جدید اور ممتاز علماء علوم اسلامیہ دونوں کے تعاون کی ضرورت ہو گی۔ انتخاب علماء ماہرین کے مشورے سے ہو ورنہ نہ ہی ایسا نصاب مرتب ہو سکے گا۔ اور نہ ہی اس کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ پر عربی درسگاہوں کے اثرات

۱۔ مسلمانوں کے ایک طویل عرصہ سے ہندو اکثریت کے ساتھ مخلوط رہنے کی وجہ سے ان میں جو ہندوانہ رسومات داخل ہوئے تھے۔ اور روز بروز ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ بالخصوص بعض ہندو نواز سلاطین دہلی نے ہندو تہذیب کے ساتھ اپنا رجحان ظاہر کر کے اس کے وقار کو بڑھایا تھا۔ اگر عربی تعلیم اور مدارس نہ ہوتے تو ہندوستان کے ہندو اور مسلمان میں ظاہری امتیاز ختم ہو چکا ہوتا اور پورے مسلمان ہندو تہذیب کے رنگ میں رنگے جاتے۔ لیکن ان دینی مدارس کا ہی اثر تھا کہ اس نے اسلامی تہذیب کو ہند میں محفوظ رکھا اور ہندو تہذیب کو اسلامی تہذیب پر غالب نہ ہونے دیا۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی تہذیب اس ملک پر مسلط ہوئی اور وہ چونکہ حکومت کے اسلحہ سے لیس تھی اس نے پوری قوت کے ساتھ اثر اندازی شروع کی اور ہندوؤں کو کم اور مسلمانوں کو زیادہ متاثر کیا لیکن اس کے باوجود بھی اسلامی تہذیب کے جس قدر خدوخال باقی رہے وہ ان دینی درسگاہوں اور ان سے پیدا شدہ مبلغین کی آواز کے اثرات تھے جس کی بدولت مسلمانوں کی اکثریت مغربی تہذیب سے محفوظ رہی اور انگریزی حکومت اپنی تہذیب کو مسلمانوں میں مقبول عام بنانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

۳۔ انگریزی حکومت کے سہارے مسیحی تبلیغ زور شور سے شروع ہوئی اور مسلمان جو زیادہ تر غریب تھے، غریب بنائے گئے تھے۔ تاہم مدارس عربیہ کے تیار کردہ واعظین اور مبلغین نے اس طوفان کو روکا اور مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھا۔

۴۔ انگریزی دور میں آریہ سماج نے ناواقف مسلمانوں کو ہندوستان کے طول و عرض میں حتیٰ کہ دیہات میں شدھی کی تحریک چلائی اور ہندوؤں کا امیر طبقہ بھی اس کوشش میں آریوں کے ساتھ تھا لیکن علمائے اسلام اور دینی درسگاہوں کے فضلاء نے غیرت دین اور رضائے الٰہی کی خاطر تمام ہندوستان میں پھیل کر دفاع اسلام کا فرض اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوا، اور مسلمان ارتداد سے محفوظ رہے۔

۵۔ انگریزوں نے اسلامی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے خود مسلمانوں میں سے ایسے لوگ کھڑے کئے کہ جو بظاہر اسلام کا نام لے کر اسلام ہی کے بنیادی عقائد پر ضرب لگاتے تھے۔ لیکن علمائے دین نے سینہ سپر ہو کر اسلام سے مدافعت کی اور انگریزوں کی اس تدبیر کو بھی کامیاب نہ ہونے دیا۔

۶۔ انگریزی راج اور تعلیم کے ساتھ یورپ کا الحاد بھی ملک میں پھیلنا شروع ہوا اور مسلمان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واسلامی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے۔ خود مغربی مصنفین خاص کر مستشرقین کی ایسی تصنیفات ملک میں پھیل گئیں جن نے جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔ اس طوفان الحاد کو بھی علماء مدارس نے تقریر وتحریر و تصنیفات کے ذریعہ شکست فاش دی اور مسلمانوں کے سینوں میں جو نورِ ایمان تھا اس کو بجھنے سے محفوظ رکھا گیا۔

۷۔ مسلمانوں کی عملی زندگی میں اسلامی اثرات برائے نام تھے۔ یہاں تک کہ السلام علیکم کی جگہ آداب عرض کا رواج تھا۔ مدارس عربیہ سے علم دین کا جو نور پھیلا اس سے اسلامی زندگی بدل گئی معاشرہ بدلا، اخلاق بدل گئے اور اسلامی حیات کے آثار ان میں نمایاں ہوئے۔

۸۔ ان عربی مدارس کا اثر تھا کہ اسلامی حکومت مٹ چکی۔ مسلمان غلام ہو چکے تھے۔ باہر کے مسلمانوں نے کسی وقت بھی یہاں کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی تھی۔ لیکن مدارس عربیہ کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر آفت ومصیبت پڑی، اخوتِ اسلامی کے جوش میں مسلمانانِ برصغیر نے ان کا ساتھ دیا۔ مظالم سہے۔ تحریکِ خلافت جنگِ طرابلس میں ان غلام مسلمانوں نے اخوتِ اسلامی کا وہ ثبوت دیا جس کی نظیر کوئی اسلامی ملک پیش نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ دینی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

۹۔ خود تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی تحریک کیوں کامیاب ہوئی۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں تعلیم دینی کی وجہ سے اسلام کی محبت قائم تھی۔ اس جذبہ کے تحت مسلمانوں نے حیرت انگیز قربانی دی۔ اور پاکستان وجود میں آیا۔

۱۰۔ جس رقبہ پر پاکستان بنا اگر دین کی تعلیم اور اشاعت نہ ہوتی تو اس رقبہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت نہ ہوتی اور پاکستان نہ بنتا۔ بہرحال یہ مختصر نتائج ہیں۔ جو اسلامی مدارس کی وجہ سے ظہور میں آئے۔

اپنی تجارت کے فروغ
کیلئے
الحق میں اشتہار دے کر
ثواب دارین حاصل کریں
★

موتیا روک
موتیا روک — موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے۔
موتیا روک — دھند، جالا، پھولا، ککروں کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔
موتیا روک — بینائی کو تیز کرتا ہے۔ اور چشمہ کی ضرورت نہیں رہتی۔
موتیا روک — آنکھوں کے ہر مرض کے لئے مفید ہے
بیت الحکمت
لوہاری منڈی لاہور

© rasailojaraid.com